



بیادگار

عاشق مصلح الامت حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ



حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد ذاکر رحیمی صاحب قدس اللہ سرہ

مدیر

مولانا قاری محمد عارف رحیمی صاحب













خانقاہ رحیمیہ و جامعہ رحیمیہ خیر المدارس کا دینی، علمی، اصلاحی، ترجمان







دسمبر ۲۰۲۲ء

جمادی الاولیٰ ۱۴۴۴ھ

بیادگار

عاشقِ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ

بہ فیض

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا شاہ محمد ذاکر رحیمی صاحب قدس سرہ

مدیر

مولانا قاری محمد عارف رحیمی صاحب











AL-MAARIF

JAMIA RAHEEMIA KHAIRUL MADARIS

Beside: Masjid -e- Ashraf, Deeramathi 2nd Street, PERNAMBUT - 635810.
Vellore Dist, Tamil Nadu (India). P.O. Box No: 32
Cell: +91 9894306751, +91 9952557549, +91 9894641484.
Email: raheemitrust@gmail.com
A/c no. 1095201001113 - IFSC CODE CNRB 0001095
CANARA BANK PERNAMBUT BRANCH

طابع و ناشر محمد حماد عاطف رحیمی نے جے یم پراسس چننئی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المعارف جامعہ رحیمیہ خیر المدارس پرنامبٹ سے شائع کیا

آئینۂ مضامین

دینی کتب و رسائل کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے

''المعارف'' کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل کریں۔ (ادارہ)

ماھنامہ
المعارف

نگاہِ اوّلیں — مدیر

وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْد

انسان دنیا میں آخرت بنانے کیلئے آیا ہے تو وہ دنیا میں ایک راہ چلتا مسافر کی طرح رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کا ہر ہمیشہ خیال رہے کہ میں اپنی آخرت بنانے کیلئے آیا ہوں وہاں کی کامیابی ہی میری دنیا کی کامیابی بھی ہے۔

حدیث پاک میں فرمایا گیا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْم انسان کے اعمال کا اصل اعتبار اس کے خاتمہ پر ہے ہوسکتا ہے کہ میں روزہ کا عادی ہوں عبادت گذار ہوں اچھے کام بھی بہت کرتا ہوں مگر اس پر فخر ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ ہر ہمیشہ خاتمہ بالخیر کی فکر رکھنا چاہئے حدیث پاک میں ایمان پر خاتمہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے تو اس کی طرف اشارہ ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْم انسان کے تقویٰ کا، طہارت کا، عبادت کا، ساری چیزوں کا دارومدار اس کے انجام پر ہے، خاتمہ اگر صحیح ہو تو ساری چیزیں صحیح ہیں خاتمہ اگر صحیح نہیں تو ساری عبادتیں بے کار ہیں۔

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے — وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم — مسافر رہے جیسے تیسے رہے

ایک سبق آموز واقعہ ہے کہ ایک بزرگ جب کبھی نماز وغیرہ کیلئے باہر جاتے تو راستے میں ایک فاحشہ عورت ہوتی تھی وہ حضرت سے کہتی تھی کہ حضرت آپ کی داڑھی بہتر ہے یا میرے بکرے کی داڑھی؟ حضرت کچھ نہیں فرماتے تھے خاموش چلے جاتے لوگ کہتے بھی تھے کہ آپ کا اتنا مذاق اڑایا جارہا ہے اور آپ خاموش ہیں تب بھی کچھ نہ فرماتے، کتابوں میں عجیب بات لکھی ہوئی ہے کہ جب آپ کا آخری وقت آیا انتقال ہونے لگے اس وقت وصیت فرمائی کہ جب تم میرا جنازہ لے کر جاؤ تو اس عورت کے گھر کے پاس کچھ دیر رُکاؤ پھر آگے چلتے رہو جب جنازہ کو وہاں

روکا گیا تو عجیب منظر نظر آیا وہ اُٹھ کر بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ الحمدللہ آج میری داڑھی بہتر ہے، یہ کہتے ہوئے پھر لیٹ جاتے ہیں۔ایک بات تو یہ ہے کہ اس عورت کیلئے ایک ہدایت کا ذریعہ ہو گیا اور دوسری اصل بات یہ ہے کہ وہ ہر ہمیشہ تو کہتی تھی کہ آپ کی داڑھی بہتر ہے یا میرے بکرے کی داڑھی اس وقت آخرت اور خاتمہ اصل مقصود تھا،لہٰذا وہ سوچتے تھے کہ اگر میرا خاتمہ خراب ہو جائے تب تو بکرے کی داڑھی بہتر ہوگی اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو گیا تو میری داڑھی بہتر ہوگی، میں اس وقت تک فیصلہ نہیں سنا سکتا ہوں، جب تک کہ میرا خاتمہ نہ ہو جائے، جب میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو بتاتا ہوں کہ میری داڑھی بہتر ہے۔

اب دیکھیں کتنی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمارے دلوں کو ٹھیس پہونچانے والی ہوتی ہیں لیکن اس کے اندر ہمارے لئے بڑا سبق ہوتا ہے اور وہاں ہم حد سے باہر ہو جاتے ہیں اصل وہاں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور آخرت اصل مقصود ہو۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر بار بار ہم سے سوال کیا وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کل کا بھی تو ایک دن ہے وہاں حساب و کتاب تو دینا ہے،توشہ بھی تو لے کر جانا ہے کیا تم نے کل کیلئے کچھ توشہ اختیار کیا؟عمل تمہارے کونسے ایسے ہیں؟ جس کے بل بوتے پر تم یقین رکھ سکو کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی، وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ پھر فرمایا کہ وَاتَّقُوا اللهَ اس مسئلہ میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو وہ تمہارے ہر عمل کو جانتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ تمہارا کوئی بڑے سے بڑا عمل ہو لیکن اس عمل کے اندر نام و نمود اور ریاء داخل ہو اور اس وجہ سے تمہارا عمل ضائع ہو گیا ہو۔تو اس سے معلوم ہوا اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ ہر ہمیشہ خاتمہ کی فکر کرتے رہنا چاہئے اور ہر ہمیشہ دعاؤں میں مانگنا کہ یااللہ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما اور ایمان پر خاتمہ کیسے ہوگا؟

حدیث پاک میں فرمایا گیا ''تَمُوْتُوْنَ كَمَا تَعِيْشُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ كَمَا تَمُوْتُوْنَ'' تمہاری موت ویسے ہی آئے گی جیسے تمہاری زندگی گذری ہے اور روز محشر میں ویسے ہی اُٹھائے جاؤ گے جیسے تمہاری موت آئی تھی تو دنیا کے اچھے عمل کا دخل ہماری آخری گھڑی پر ہے اور ہماری آخرت کے سارے فیصلے ہماری آخری گھڑی پر ہیں تو اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيْمِ ۔کہ آخری لمحے کی تیاری میں ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہئے۔



حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اخلاص والی عباد ت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ○۔(سورۃ الزمر:۱۱)

ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ مجھ کو منجانب اللہ حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت کو اس کیلئے خاص رکھوں اور مجھ کو یہ (بھی) ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں۔

عبادت مع الاخلاص ہی مقبول ہے: اور شروع سورت میں ''اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ '' سے اس کا مامور بہ ہونا اس کے ضروری ہونے کی دلیل ہے۔ اس میں عبادت مع الاخلاص کا حکم دیا گیا ہے عبادت گو فی نفسہٖ خود بھی ایک امر مقصود ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس وقت معتبر ہے جبکہ اخلاص کے ساتھ ہو کیونکہ ان اعبد اللہ امرت کا معمول ہے اور مخلصًا قید ہے اور مقید میں محط فائدہ قید ہوا کرتی ہے اس آیت سے مقصود بالامر اخلاص ہو یعنی مطلق عبادت نہیں بلکہ عبادت مع الاخلاص کا حکم کیا گیا ہے اسی لئے ''اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا'' فرمایا کیونکہ اگر امرت ان اخلص فرماتے تو اس سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ اخلاق اتنی ضروری شئی ہے کہ عبادت بھی اس کے بغیر معتبر نہیں۔

اس آیت میں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ کہ مخلصاً لہ العبادہ نہیں فرمایا جیسا کہ ان اعبد اللہ مناسب ظاہراً یہی تھا حالانکہ مراد یہی ہے کہ خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ عبادت اسی کیلئے خالص ہو بلکہ یہ فرمایا کہ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ جس سے معلوم ہوا کہ عبادت دینی جب ہی ہے کہ جب اس

میں اخلاص ہو کسی چیز کی آمیزش نہ ہو اب اپنے برتاؤ کو دیکھئے کہ آپ کے ساتھ جب کوئی محبت ظاہر کر رہا ہے تو آپ اس کی نیت بھی دیکھتے ہیں یا نہیں۔

اگر ایک شخص نذر بھی دے اور پھر کہے کہ میری سفارش کر دیجئے تو کیا آپ یہ نہ سمجھیں گے کہ یہ نذر اپنی غرض کیلئے تھی یا مثلاً کوئی آپ کی دعوت کرے اور چلتے وقت یہ کہے کہ میرے ذمہ قرضہ ہے کیا آپ کو یہ دعوت ناگوار نہ گذرے گی غرض کہ صبح سے شام تک اپنے معاملات پر نظر کیجئے کہ جو محبت خالص ہوتی ہے اسی کی قدر ہوتی ہے آپ بھی اسی دوستی کو پسند کرتے ہیں جس میں آمیزش نہ ہو تو خدا تعالیٰ جو کہ طیب ہے آمیزش دار عبادت ومحبت کی کیونکر قدر کریں گے۔ افسوس محبوبان دنیا کے واسطے تو کوشش کی جاتی ہے کہ ہدیہ خالص ہو اس میں کسی چیز کا میل نہ ہو اور خدائی دربار میں جو عبادت پیش کی جاتی ہے اس کے خالص ہونے کی کوشش نہیں کی جاتی غرض عقلی اور نقلی طور پر اخلاص کی ضرورت ثابت ہوگی اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے اعمال میں اخلاص بھی ہے یا نہیں کیونکہ جب وہ ضروری چیز ہے تو اس کا دیکھنا ضروری ہے جب قرآن میں اس کا تاکیدی حکم ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کو فرض نہ سمجھئے۔

فان كنت لم تدرى فتلك مصيبة وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم

یعنی اگر جانتے نہ ہو تو ایک ہی مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو اور پھر عمل نہیں کرتے تو یہ دوہری مصیبت ہے اس کا کوئی بھی تدارک نہیں کیونکہ جتنے افعال اختیاریہ ہیں سب قصد پر مبنی ہیں بدوں قصد وارادہ کے متحقق نہیں ہوتے اخلاص بھی انہیں میں سے ہے اگر ارادہ ہی نہ کرو گے تو اخلاص کیسے حاصل ہو جائے گا۔ یہ غلطی بعض طالبان باطن کو بھی پیش آتی ہے کہ درخواست کیا کرتے ہیں کوئی دُعاء کر دیجئے کہ ہماری اصلاح ہو جائے کوئی ایسا تعویذ دے دیجئے کہ دل سے خطرات دور ہو جاویں ان حضرات سے کوئی پوچھے تو کہ فقط درخواست ہی کرنی آتی ہے یا کبھی اس کی فکر بھی ہوتی

ہے اصلاح کا قصد بھی کیا ہے حالت دیکھو تو سبحان اللہ کسی ادا سے معلوم نہیں ہوتا کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال ہے اگر اپنی اصلاح کا خیال ہو تو اول پختہ ارادہ کر کے اس کے ذرائع بہم پہنچاؤ تاکہ تصفیہ میسر ہو۔

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

ترجمہ: صوفی اس وقت تک پکا صوفی نہیں بن سکتا جب تک عملاً اپنی اصلاح نہ کرتا رہے یہ راستہ بہت لمبا ہے بہت محنت کرنے کے بعد ہی کوئی طالب منزل پاتا ہے۔

بہر حال اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ کوئی غرض نفسانی اپنی نہ ہو رضائے حق مطلوب ہو اس کے حاصل کرنے کا طریقہ اور علاج یہ ہے کہ کوئی کام کرنا ہو تو پہلے دیکھ لیجئے کہ میں یہ کام کیوں کرتا ہوں اور اگر کوئی نیت فاسد ہو تو اس کو قلب سے نکال دیجئے اور نیت خالص خدا کیلئے کرنی چاہئے اور علاج کی آسانی کیلئے بہتر یہ ہے کہ مخلصین کی حکایات دیکھا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اول قُلْ فرمایا جس میں حضور کو حکم ہے کہ یہ بات کہہ دیجئے۔

اور یقینی بات ہے کہ اگر قُلْ نہ بھی فرماتے جب بھی تو حضورؐ بیان فرماتے ہی جہاں اور احکام کی تبلیغ آپ نے فرماتے ہی اس کیلئے لفظ قُلْ کا زیادہ فرمانا بتلا رہا ہے کہ کوئی مہتم بالشان حکم ہے۔ دوسرے اِنِّیْۤ اُمِرْتُ (تحقیق مجھ کو حکم ہوا ہے) فرمایا اِنِّیْۤ میں دوسری تاکید ہے پھر اُمِرْتُ (مجھ کو حکم ہوا ہے) تیسری تاکید اس طرح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر کوئی محبوبیت میں نہیں تو ظاہر ہے کہ اگر احکام میں رعایت ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے بڑھ کر رعایت ہونی چاہئے اور رعایت یہ ہوتی کہ بعض احکام سب پر واجب ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہ ہوتے۔ چنانچہ اس خصوصیت کو اس آیت میں ظاہر بھی فرمایا ہے۔ ''لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ'' (یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیں)۔

تو باوجود اس کے جب اِنِّیٓ اُمِرۡتُ فرمایا کہ مجھ کو حکم کیا گیا ہے۔ اب یہ احتمال نہیں ہو سکتا کہ دوسروں پر واجب نہ ہو البتہ اگر تخصیص کی دلیل موجود ہو تو دوسری بات ہے اور یہاں مقتضی تخصیص کی کوئی چیز نہیں تو جب ایسی ذات بابرکات کو بھی یہ فرمایا گیا کہ سنا دو مجھ کو حکم ہوا ہے اس بات کا، تو سمجھ لیجئے کہ دوسرے لوگ تو کس حساب میں ہیں ان پر تو یقیناً یہ فرض ہو گا۔

اخلاص کی اہمیت: یہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر حکم کو ضروری ظاہر فرماتے تھے۔ آپ رسول تھے اور رسول کا فرض منصبی ہے کہ تمام احکام کو مخلوق کی طرف پہنچائے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہ تھی کہ حق تعالیٰ خاص طور پر کسی حکم کیلئے یہ فرمائیں کہ اس کو پہنچا دو۔ مگر پھر بھی جب کسی حکم کیلئے آپ کو یہ ارشاد ہو گا کہ اس حکم کو پہنچا دو۔ تو ضرور اس سے اس حکم کا مہتم بالشان ہونا سمجھا جائے گا چنانچہ یہاں اخلاص کا امر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لفظ قُلۡ سے خطاب فرمایا ہے کہ یہ بات اُمت سے کہہ دیجئے ایک تو یہی قرینہ ہے کہ آئندہ جو حکم آئے گا وہ بہت قابل اہتمام ہے پھر اس کے بعد اخلصوا نہیں فرمایا کہ لوگوں سے کہہ دو کہ اخلاص کیا کریں بلکہ اس کے بجائے اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ فرمایا کہ یوں کہہ دو کہ مجھ کو اخلاص کا حکم کیا گیا ہے اس جملہ سے حضور کا مامور بالاخلاص ہونا ظاہر فرمایا گیا اس سے اخلاص کی عظمت بہت بڑھ گئی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محبوب ہیں اور جس امر کا محبوب بھی مامور ہو وہ کیسا امر ہو گا بہت ہی مہتم بالشان اور ضروری ہو گا کہ رسول اور محبوب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

حق تعالیٰ نے اس آیت میں اُمِرۡتُ کا مفعول اَنۡ اَعۡبُدَ کو بنایا ہے مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّیۡنَ اس کا حال ہے اور حال میں اصل یہی ہے کہ عامل کی قید اور اس کے تابع ہوتا ہے الا بدلیل مستقل تو اخلاص کو عبادت کا تابع بنایا گیا معلوم ہوا کہ عبادات اصل ہیں اور احوال و کیفیات واخلاق ان کے تابع ہیں اب کسی کا کیا منہ ہے کہ احکام و عبادات کو بے کار کہے سارا قرآن اس سے بھرا پڑا ہے جا بجا عبادات کی تاکید اور ان کے ترک پر وعید ہے ہاں کسی کو قرآن پر ہی ایمان نہ ہو وہ جو چاہے کہے۔

شمع رسالت

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی دامت برکاتہم

سب سے بڑا زاہد کون؟

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا اِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ فِي الدُّنْيَا اَنْ لَا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدِكَ اَوْثَقُ بِمَا فِيْ يَدِ اللهِ وَاَنْ تَكُوْنَ فِيْ ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ اَنَّهَا اُبْقِيَتْ لَكَ۔

(ترمذی شریف: ۲/۵۹، الترغیب والترہیب: ۴/۱۳۹)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں زہد وتقویٰ حلال کو حرام کرنے کے ذریعہ سے نہیں ہوتا اور نہ ہی مال ضائع کرنے کے ذریعہ سے ہوتا ہے لیکن دنیا میں زہد وتقویٰ یہی ہے کہ جو کچھ تمہارے قبضہ اور دائرہ اختیار میں ہے اس پر اتنا بھروسہ نہ ہو جتنا اللہ کے قبضہ کی چیزوں میں ہوتا ہے اور مصیبت کے ثواب کی اُمید میں تم ڈوب جاؤ جب تم مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ تو مزید ثواب کی امید میں یہ آرزو ہو کہ وہ مصیبت تمہارے ساتھ باقی رہے۔

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا کے اندر سب سے بڑا زاہد کون ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زاہد وہ شخص ہے جس نے دنیا سے ایسی بے رغبتی اختیار کرلی ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان کو بھی عملاً اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے۔ کبھی استعمال کا ارادہ بھی نہیں کرتا اور وہ اس کو تقویٰ اور ترکِ دنیا

سمجھتا ہے یا اپنے مال اور دولت کو جہاں چاہے خرچ کر دیتا ہے اپنے پاس جمع ہونے نہیں دیتا، تو حضرت سید الکونین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اس طرح حلال چیزوں کو عملاً اپنے اوپر حرام کر لینا اور اپنے مال و دولت کو ضائع کر دینا زہد اور تقویٰ نہیں ہے، بلکہ زہد و تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی حلال کردہ نعمتوں کو استعمال کیا جائے اور اپنے مال و دولت کو موقع و محل میں خرچ کیا جائے اور پھر اسی حالت میں دو خوبیاں اس کے اندر موجود ہوں۔

(۱) لَا تَكُوْنَ بِمَا فِيْ يَدِكَ اَوْثَقُ بِمَا فِيْ يَدِ اللّٰهِ: پہلی خوبی یہ ہے کہ جو کچھ مال و دولت تمہارے قبضہ و دائرہ اختیار میں ہو اس پر تمہیں بھروسہ نہ ہو اگر بھروسہ ہو تو صرف اس دولت کے اوپر ہو جو اللہ کے دائرہ اختیار ہوتی ہے۔ اس لئے کہ تمہارے قبضہ میں جو کچھ دولت ہے اس کے زائل ہونے میں صبح سے شام تک بھی نہیں لگ سکتی، کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے۔ اور اللہ کے دائرۂ اختیار میں جو کچھ ہے وہ لازوال نعمت ہے۔ اسی کے اوپر بھروسہ اور اُمید ہو اس لئے کہ جب وہ اپنے لامحدود خزانہ سے دینے پر آتا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور جب اپنی دی ہوئی دولت لینے پر آتا ہے تو اس پر بھی کوئی رُکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ لہٰذا سب سے بڑا زہد و تقویٰ یہی ہے کہ اپنے مال و دولت پر بھروسہ نہ ہو بلکہ اللہ پر بھروسہ ہو۔

(۲) وَاَنْ تَكُوْنَ فِيْ ثَوَابِ الْمُصِيْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِيْهَا لَوْ اَنَّهَا اُبْقِيَتْ لَكَ: جب تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو اس کے اجر و ثواب کی رغبت میں مستغرق ہو جاؤ اور مزید یہ آرزو کرنے لگو کہ یہ مصیبت لگی رہے اور اس کا ثواب ملتا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کو یہ دو خوبیاں بہت پسند ہیں کہ انسان اپنے اور اپنے مال پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ اور اللہ کے لامحدود خزانہ پر بھروسہ رکھے۔ اور جب مصیبت آئے تو جزع فزع نہ کرے بلکہ اجر و ثواب کی اُمید میں مستغرق ہو جائے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے اندر یہ صفات موجود ہوں اس سے بڑھ

کر دنیا میں کوئی متقی اور عابد زاہد نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مصیبت اور صدمہ کے موقع پر صبر سے کام لیا جائے تو سب سے بڑی کامیابی ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں زاہد کی پانچ صفتیں بیان کی ہیں۔

(۱) مَنْ لَمْ يَنْسَ الْقَبْرَ وَالْبِلٰى۔ کہ زاہد وہ شخص ہے جو قبر اور قبر کے اندر کے گوشت پوست گل کر ہڈیاں تک بوسیدہ ہو کر مٹی ہو جانے کو نہیں بھولتا ہے۔

(۲) وَتَرَكَ فَضْلَ زِيْنَةِ الدُّنْيَا۔ دنیا کی زیب وزینت چھوڑتا ہے۔

(۳) وَاٰثَرَ مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى۔ ہمیشہ باقی رہنے والی چیزوں کو دنیا کی فنا ہونے والی چیزوں پر ترجیح دیتا ہے۔

(۴) وَلَمْ يُعِدْ غَدًا فِيْ اَيَّامِهٖ۔ اور اپنی زندگی میں آنے والے کل کو نہ شمار کرتا ہے اور نہ اس کو کوئی حیثیت دیتا ہے کیا خبر ہے کہ آنے والا کل اپنی زندگی میں نصیب ہوگا یا نہیں۔

(۵) وَعَدَّ نَفْسَهٗ مِنَ الْمَوْتٰى اور اپنے نفس کو مردوں میں شمار کرتا ہے زندگی پر کوئی بھروسہ نہیں رکھتا۔ ساری اُمیدیں آخرت سے متعلق ہیں۔ دنیا کی زندگی اور دنیا کی زیب وزینت پر کوئی آرزو اور بھروسہ نہیں ہے۔

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں یہ صفات موجود ہوں صحیح معنی میں وہی زاہد اور متقی ہے۔



بزمِ درویش

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ

ملفوظاتِ رحیمی

ارشاد فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم مجھ کو ہزار روپۓ بھی بطور ہدیہ دوگے تو مجھے کوئی خوشی نہ ہوگی میری خوشی تو اُسی میں ہے کہ تم میری تعلیمات پر عمل کرو۔

ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معصوم ہونے کے باوجود ہر روز استغفار کیا کرتے تھے ہم پر لازم ہے کہ ہمیشہ استغفار کی کثرت کیا کریں اس سے گناہوں کا کفارہ بھی ہوجاتا ہے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی ہوتی ہے کیونکہ استغفار کرنے سے شیطان کا غلبہ نہیں ہوا کرتا۔

ارشاد فرمایا کہ جمائی چونکہ شیطان کی طرف سے ہوا کرتی ہے اس لئے جمائی کے وقت تعوّذ پڑھنا چاہئے اور چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے چھینک کے وقت الحمدللہ کہا جاتا ہے۔

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بزرگوں کے کلام میں چوں کہ برکت ہوتی ہے اس لئے میں مجلس میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات پڑھوا کر حاضرین مجلس کو سمجھاتا ہوں۔

ارشاد فرمایا: آج ملفوظات جمع کرنے والوں سے میں نے کہا کہ محض برکت کیلئے ملفوظات جمع کرنے میں کچھ فائدہ نہیں اصل چیز عمل ہے لکھ کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے یہی بات میں سب سے کہتا ہوں۔

ایک سلسلہ گفتگو میں ارشاد فرمایا کہ بنگلور سے یہاں بعض لوگ آیا کرتے ہیں جو مختلف قسم کے مسائل پوچھتے رہتے ہیں میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ کیا وہاں بنگلور میں علماء موجود نہیں ہیں؟ مسائل وغیرہ ان ہی سے پوچھ لیا کرو مجھ سے تو تم صرف اللہ کا نام پوچھا کرو۔



’’تزکیہ‘‘ ایک انعامِ خداوندی ہے

تو پھر ہماری باطنی گندگی اور اندرونی بداخلاقی کی پاکی اور صفائی خود ہم نہیں کر رہے ہیں نہ اسکا احساس ہمکو بے چین کر رہا ہے تو عقلاً یہ عجیب بات ہی ہوگی اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ خود خالق فطرت جل مجدہ‘ اس پاکی اور صفائی کیلئے اپنا رسول بھیجے احکام اور طور طریقے بتائے اور قرآن کریم میں بار بار اس کو اپنا خاص فضل اور احسان عظیم قرار دے مگر ہم ہیں کہ اسکو احسان ماننے تیار نہیں۔ پھر تو اس احسان عظیم کی نہ قدر ہوگی نہ اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر اور اعتراف ہوگا بتایئے اپنی اصلاح کی فکر اور تزکیہ کا اہتمام کیسے ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی نعمتوں کی بارش برسادی اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے لیکن کسی بھی نعمت کو اپنا فضل اور احسان نہیں قرار دیا نہ تخت وتاج کو نہ قوت وشکوت کو بلکہ حدیث پاک میں تو ان تمام چیزوں کو مچھر کے پَر کے برابر بھی قرار نہیں دیا گیا۔

ہاں اگر کسی نعمت کو عظیم فضل قرار دیا تو بس وہ یہی اصلاح وتزکیہ کی نعمت ہے سورۂ جمعہ میں ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (سورۃ الجمعہ آیت: ۲)

وہ ہے جس نے اٹھایا اَن پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے انکو اسکی آیتیں اور انکو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

پھر اگلی ایک آیت کے بعد ارشاد فرمایا ۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ یہ بڑائی اللہ کی ہے دیتا ہے جسکو چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے۔ اللہ کا احسان عظیم تو یہ ہے کہ امت کی اصلاح کا سامان فرمایا پیغمبر کی زندگی کا عظیم نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا گویا انسان کو انسان بننا سکھایا۔

اہل عرب کو کیوں ان پڑھ کہا گیا

اہلِ مکہ عرب تھے اور عربوں کو اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر اسقدر فخر و ناز تھا کہ وہ ساری دنیا والوں کو عجم یعنی گونگا اور بے زبان قرار دیتے تھے۔ نزولِ قرآن کے وقت سارے عرب کی طرح خود اہل مکہ میں بھی بڑے بڑے فصیح و بلیغ خطباء و ادباء قادر الکلام شُعراء موجود تھے۔ سوق عکاظ میں انکی سالانہ علمی و ادبی سرگرمیاں انکے علم و فضل کی زندہ ثبوت تھیں۔ ایک ہی مجلس میں سینکڑوں فصیح و بلیغ برجستہ اشعار کہہ دینا ماضی کے شعراء کا کلام ہزاروں اشعار کی صورت میں پڑھ دینا اپنے خاندان کے طویل نسب نامے بچے بچے کے زبان پر جاری و ساری یہ سب فنون و کمالات انکے بائیں ہاتھ کا کھیل تھے۔ لیکن اسکے باوصف خالق کائنات نے فرمایا فِي الْأُمِّيِّيْنَ کہ ہم نے اَن پڑھوں میں رسول بھیجا ہے۔ آپکی عقل حیران اور دنگ ہے کہ یہ فصیح و بلیغ اور زبان دان لوگ اَن پڑھ کیسے ہو گئے۔ لیکن سوچئے کہ یہ کس کا کلام ہے۔ حکیم مطلق نے اسی آیت کے ختم پر فرما دیا وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ یہ سارے علوم و کمالات ان لوگوں کو کفر و شرک کی بد باطنی اور برے اخلاق کی گندگیوں سے نہیں نکال سکے تھے۔ تو پھر انکو اَن پڑھ نہیں تو اور کیا کہا جائیگا۔ دیکھئے اہل مکہ کی سرداری، زرداری، زبان دانی، حسن و جمال عقل و ذہانت قوت و شوکت حتی کہ زائرین کی خدمت اور کعبۃ اللہ کی پاسبانی کو بھی اللہ نے اپنی نعمت اور احسان و فضل نہیں کہا اور نہ اسکا احسان جتایا۔

ہاں اگر عظیم فضل اور خصوصی عنایت کے طور پر ذکر کیا تو وہ تزکیہ اور اصلاح کی نعمت تھی ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یہ ہے اللہ کا فضل یہ ہے اللہ کی مہربانی۔

فغانِ کلیم

طبیب الامۃ مرجع العلماء حضرت شاہ حکیم محمد کلیم اللہ صاحب دامت برکاتہم

اثر انگیز نصائح

اب سے دوسو(۲۰۰)برس پہلے چشتیوں کا عروج ہوگیا وہ آخری دور کے تھے، سید الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اگر انکو جواب دیا جائے تو معمولی بات ہے، درسِ نظامی کے استاذ ہیں، وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ جب تک چشتیہ میں رہے ان کا نام نہیں ہوا، نقشبندیہ میں آنے کے بعد ان کو عروج ہوگیا یہ کیسا تقابل ہوگیا افسوس کی بات ہے، تو ہم نے کہا کہ یہ موٹی سی بات ہے جب تک حاجی امداداللہ صاحب نقشبندیہ میں رہے کوئی جانتا بھی نہیں تھا انکو شیخ انکے نقشبندی تھے، انھوں نے اس کے بعد پھر رجوع کیا چشتیہ میں وہ سید الطائفہ ہوگئے۔ مجدد کہلائے۔ انکے جتنے بھی خدام تھے سب اعلی درجہ کے (علمی اور عملی) مولانا گنگوہیؒ، مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت تھانویؒ علمی دنیا میں، عملی دنیا میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ نقشبندی تھے اس لئے عروج نہیں ہوا چشتیہ میں آئے تو عروج ہوگیا یہ تقابل کیسا؟ افسوس کی بات ہے کل ہی سنایا تھا ہمیں بہت افسوس ہیکہ درسِ نظامی کے مدرس ہو کے یہ بات کہنا۔ یہ تقابل پیدا کردیا انہوں نے ایسی باتوں کا منشاء کبر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ جو بھی ہو جو بھی مصلح ہو، علاج کرایا جائے فائدہ ہوگا۔ علاج کے چار اصول ہیں۔ ایلوپیتھک، ایورویدک، یونانی، ہومیوپیتھک، سب کا مقصد ایک ہی ہیکہ صحت مل جائے، جس سے چاہے علاج کرالے۔ پہلے میں ہومیوپیتھ کو جانتا ہی نہیں تھا چند لوگوں نے علاج کرایا فائدہ ہونا شروع ہوگیا اب لوگ اسکی طرف متوجہ ہونے شروع ہوگئے، یونانی قدیم ہے، ایلوپیتھی جدید ہے اب مقصد کیا ہے کہ ان کو صحت ہوجائے۔ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ مجھے فلاں شیخ سے تعلق ہے اللہ نے مجھے ان سے نفع پہنچایا صحیح ہے لیکن یہ کہنا کہ اسی سلسلہ میں کامیابی کا مدار ہے بالکل غلط ہے، یہ تو تقابل پیدا ہوجاتا ہے ہمارے

اکابر نے اسکو منع کیا ہے، کبھی تقابل تفاضل مت کرو، ہر ایک کی الگ الگ نوعیت ہوتی ہے، بہت عمدہ مثال دیا میرے شیخ نوراللہ مرقدہٗ نے کہ بعض لوگ تقابل کرتے ہیں یہ کام اچھا ہے یا وہ کام اچھا ہے؟ ان دنوں میں ایسا چرچا تھا کہ درس وتدریس بہتر ہے یا تبلیغ بہتر ہے؟ اس کا بہت پیارا جواب دیا۔

حضرت شیخ نے ''فرمایا دونوں کام الگ الگ ہیں، کوئی آپ سے پوچھے کہ کان افضل ہے یا آنکھ؟ کیا کہو گے؟'' دونوں کے کام الگ الگ ہیں، آنکھ کا کام الگ، کان کا کام الگ یہ نہیں کہ آپ کہیں کہ کان افضل ہے آنکھ سے، یہ ہو ہی نہیں سکتا یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دایاں کان بایاں کان سے افضل ہے، اس سے اچھا سنائی دیتا ہے، یہ تو ٹھیک ہے کہ دائیں آنکھ افضل ہے بائیں آنکھ سے اس لئے کہ اس سے زیادہ دکھائی دیتا ہے، اس میں روشنی زیادہ ہے، یہ بات حضرت نے فرمائی جو جس شعبہ کے اندر ہو وہ سب افضلیت اس کے اندر ہے، اشاعت دین مقصد ہو چاہے تبلیغ ہو چاہے تدریس ہو، اس میں لوگ غلو کر رہے ہیں آج کل ایک کو فوق کرتے ہیں ایک کو گرا دیتے ہیں یہ غلطی ہے، علم سطحی ان کا علم ہے انکے اندر روح نہیں ہے بالکل، تقابل کیسا بھائی؟ ہر ایک چیز الگ الگ ہیں، تو مسئلہ میں بھی بعض چیزیں ہوتی ہیں اس لئے مسئلہ سے لوگ اعراض کرتے ہیں، حالانکہ باری تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں'' کہ جاننے والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے'' یہ ترجمہ ہے آیت کا چونکہ یہاں لوگ سب انگریزی داں ہیں تو اس کو سمجھ جائیں گے، علماء تو جانتے ہی ہیں اس آیت شریفہ کو تو کوئی جاننے والے سے پوچھو خالی ''اُعْبُدُوْا'' نہیں فرمایا یہ بات تم کو معلوم نہیں معلوم کرلو جاکے، آج امت اس سے اعراض کرتی ہے، مسئلہ نہیں پوچھتے نہ جانتے ہیں نہ کوشش کرتے ہیں۔ ٹھوکر کھاؤ گے۔

یاد رکھو! شریعت ایک مکمل نظام ہے ہر شعبہ الگ الگ ہے، اس کے ماہرین نے بتلا دیا یہ فقہاء کرام اس کے ماہر کہلاتے ہیں، اب بعضوں نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ صاحب! مفتیان کرام کو یہ جاننا چاہئے، وہ جاننا چاہئے۔

مضامین

مولانا ہارون معاویہ صاحب

دین کے تین درجے

دین کے تین درجے ہیں جن کو طے کرکے انسان اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ بنتا ہے۔

۱...... پہلا درجہ علم کا حاصل کرنا۔ علم ایک نور ہے جس سے انسان اپنی زندگی گذارنے کی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اگر علم ہی نہ ہوتو انسان عمل کیسے کرسکتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک بنیاد ہے۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ''علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔

اس کا یہ مطلب ہے کہ ضروریاتِ دین کا علم حاصل کرنا تو ہر ایک پر لازم ہے البتہ اس کی تفصیلات کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جو علم کی تفصیلات کو بھی جانیں گے۔ ایک ایسی جماعت ہر زمانے میں ہونی چاہئے۔ رہ گئی میری اور آپ جیسے عوام الناس کی بات تو ہمیں ضروریاتِ دین کا پتہ ہونا ضروری ہے۔ یاد رکھیں کہ...... فرائض کا علم حاصل کرنا فرض ہے۔ واجبات کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور سنن کا علم حاصل کرنا سنت ہے۔

۲...... دوسرا درجہ علم پر عمل کرنے کا ہے کیونکہ فقط علم حاصل کرنے سے کام نہیں بنتا۔ اگر علم پر مغفرت ہوتی تو شیطان کی مغفرت ہوچکی ہوتی۔ اس کے پاس علم تو بہت تھا لیکن عمل میں کوتاہی کرگیا۔ جو انسان اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے علمِ لدنّی عطا فرمادیتا ہے۔ ''مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللهُ عِلْمَ مَا لَمْ يَعْلَمْ'' (جو اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا کرتا ہے جو وہ نہیں جانتا)۔

عام طور پر شیطان طلبہ کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تم ابھی علم حاصل کرلو پھر بعد میں اکٹھا عمل کرلینا، جس نے یہ بات سوچنا شروع کردی وہ شیطان کے دھوکے میں آگیا۔ اس دھوکے

سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اِدھر پڑھو اور اُدھر عمل کرو، یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خلق تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دو سال میں سورۃ البقرۃ پڑھی لیکن جب سورۃ البقرۃ مکمل ہوئی تو میرا عمل بھی سورۃ البقرۃ کے مطابق ہو چکا تھا۔

۳......تیسرا درجہ اخلاص کا ہے۔ یعنی جو عمل بھی کریں اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کا رضا ہو، یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، اس لئے دل چاہتا ہے کہ اس محفل میں اخلاص کے بارے میں بات کی جائے، جو انسان اس درجہ کیلئے قدم اُٹھائے گا اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرے گا تب پتہ چلے گا کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ اعمال کر لینا آسان ہے لیکن اس معیار کے اعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آجائیں یہ انتہائی مشکل کام ہے، اسی لئے اللہ والے کرتے بھی ہیں اور ڈرتے بھی ہیں، وہ ساری عمر رات کو تہجد کی پابندی کے ساتھ گذارنے کے باوجود کہتے ہیں:

''مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ''

وہ ساری رات تہجد کی نماز پڑھنے میں گذار دیتے ہیں اور پھر صبح کے وقت اس پر اتنے نادم ہوتے تھے اور اتنا استغفار کرتے تھے کہ جیسے وہ ساری رات کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہو رہے تھے۔

''كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ۔ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ''

(سورۃ الذّٰریٰت: ۱۷،۱۸)

''رات کو کم سویا کرتے تھے اور سحری کے وقت مغفرت مانگا کرتے تھے''۔

وہ شب بھر اللہ رب العزت کے حضور اپنی جبین نیاز جھکائے رکھتے تھے اور صبح کے وقت حسرت کرتے تھے کہ ہم ایسے عمل نہ کر سکے جیسے ہمیں کرنی چاہئیں۔ بلکہ کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ صبح کے وقت اُٹھ کر اپنے چہرے پر اس خوف سے ہاتھ لگا کر دیکھتے تھے کہ کہیں ہماری شکلیں تو مسخ نہیں ہو گئیں۔ آج ہم اپنے گناہوں پر اتنا خوفزدہ نہیں ہوتے جتنا ہمارے اکابر اپنی نیکیوں کے رد ہو جانے پر اللہ سے خوفزدہ ہوا کرتے تھے۔



حضرت علامہ محمد موسیٰ روحانی بازی رحمۃ اللہ علیہ

چھوٹے گناہوں کے تباہ کن اثرات

قرآن واحادیث سے اگر چہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں گناہ بڑا ہے اور فلاں چھوٹا، فلاں نیکی بڑی ہے اور فلاں چھوٹی ہے مگر تفصیلی طور پر ان کی تاثیر کا علم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ایک بڑے گناہ کا انجام اتنا خطرناک نہ ہو جتنا اس سے چھوٹے گناہ کا انجام خطرناک ہوتا ہے۔ بالفاظِ دیگر گاہے چھوٹا گناہ بڑے گناہ کے مقابلہ میں زیادہ تباہ کن ہوتا ہے۔

دیکھئے کبھی انسان ایک خرمن لکڑیوں کو آگ لگا دیتا ہے مگر اس سے شہر نہیں جلتا اور کبھی ایک دیاسلائی سے سارا شہر راکھ بن جاتا ہے۔ خالی میدان پر آگ کا کچھ اثر نہیں ہوتا اور تنکوں اور مکان کے شہتیروں میں تھوڑی سی آگ لگ جانے سے سارا مکان جل جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات اور بعض اوقات میں چھوٹے گناہ سے اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوتے ہیں، خدا پناہ دے۔

دیکھئے جمعہ کی رات، شبِ قدر، یومِ عرفہ، یومِ عیدین، رمضان شریف اور حرمین شریفین میں چھوٹے گناہ پر بھی سخت گرفت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرمین شریفین میں اقامت کو افضل قرار نہیں دیتے کیونکہ وہاں اگر چہ عبادت کا بہت ثواب ملتا ہے مگر گناہ کی سزا بھی بڑی سخت ہے۔ البتہ جو حضرات حرمین شریفین کا پورا اکرام کرتے ہیں ان کیلئے وہاں اقامت بڑی سعادت ہے۔ بہر حال نیکی سے شعلۂ ایمان بھڑکتا ہے اور گناہ سے معاملہ اُلٹا ہوتا ہے۔

الغرض ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حکم ہے کہ نیک اعمال کے ذریعے ایمان کی حفاظت کروتا کہ اس کا شجر بارآور ہو تو دوسری طرف گناہوں سے حفاظت کا بھی حکم دیا اور انسان کی ضروریات تین ہیں لباس، مکان اور خوراک۔ اگر چہ ان کے علاوہ بھی انسان کی بے شمار

ضروریات ہیں لیکن یہ تین ضرورتیں سب سے اہم اور بنیادی ہیں۔ اِن تینوں کے حصول کیلئے انسان سرگرم رہتا ہے۔

ان میں سے بعض کی ضروریات کچھ کم اور محدود ہوتی ہے اور بعض کی ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔لباس اور مکان کی ضرورت محدود ہے۔ البتہ مکان کی ضرورت اور حاجت پوری کرنے کیلئے زیادہ وسائل اور زیادہ مال چاہئے۔ اور لباس کی ضرورت محدود وسائل اور محدود مال سے بھی پوری ہوسکتی ہے۔ اور خوراک کی ضرورت ان دونوں ضرورتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔خوراک کی ضرورت سب سے وسیع تر بھی ہے اور اس کیلئے زیادہ وسائل اور زیادہ مال بھی چاہئے۔

پس خوراک کے دائرے کا معاملہ وسیع تر ہے اور زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے، لباس کی فکر ہر وقت نہیں ہوتی، کپڑے کا ایک جوڑا کئی ماہ تک کام دے سکتا ہے۔ اسی طرح مکان بھی ایک بار بنالیا جائے تو سالہا سال بلکہ عمر بھر وہی مکان کافی ہوسکتا ہے۔ مگر خوراک کی حاجت اور ضرورت چوبیس گھنٹوں میں کم از کم دو تین مرتبہ پیش آتی ہے یعنی صبح، دوپہر، رات۔ یہ تو تقریباً واجبی حد ہے ورنہ کئی لوگ دن میں بیسیوں مرتبہ اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اس بناء پر انسان کو خوراک کی زیادہ ضرورت اور زیادہ فکر رہتی ہے۔ یعنی خوراک کے حصول کی فکر، اس کے تنوع کا خیال، اس کے مزیدار ہونے کا تصور اس کے ہضم ہونے کی فکر۔ غرض اس ایک ضرورت یعنی خوراک وطعام سے متعلق سینکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی انواع اور ایسے شعبے ہیں جن کی فکر میں انسان مستغرق رہتا ہے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ان پریشانیوں اور افکار سے نجات دلانے اور بے فکر کرنے کیلئے ارشاد فرمایا کہ ہر دابہ یعنی ہر ذی روح چیز کا رزق میرے ذمہ ہے: ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا''

لہٰذا انسان کو چاہئے کہ وہ رزق کے معاملہ میں زیادہ پریشان اور فکر مند نہ ہو۔ اور نہ ہی

اسے رزق کے حصول کیلئے اپنے تمام اوقات صرف کر کے اپنی زندگی تباہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ وہ جتنی بھی سعی اور کوشش کر لے ملے گا اس کو اتنا ہی رزق جتنا اس کے مقدّر میں لکھا جا چکا ہے۔ اس سے زیادہ وہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس سے زیادہ کا حصول ممکن بھی نہیں ہے۔ تعلیماتِ اسلامیہ میں سے ایک اہم شعبہ یہ ہے کہ روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اور انسان کے ذمہ اللہ جل جلالہ کی عبادت ہے۔ پس انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔ ایک حدیث شریف ہے:

''مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللهُ هُمُوْمَهٗ'' (یعنی جو شخص (دنیا کے) تمام غموں کو چھوڑ کر صرف ایک آخرت کے غم میں لگ جائے تو اللہ جل جلالہ اس کے تمام غموں کے متکفّل ہو جائیں گے۔

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے افسوس جو کام انسان کے کرنے کا تھا یعنی عبادت وہ تو اس نے چھوڑ دیا اور جو کام انسان کے ذمّے نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذمّے تھا یعنی روزی دینا وہ اس نے اپنے ذمّے لے لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ آخرت سنور سکی نہ دنیا۔ کیونکہ دنیا تو فانی ہے یہ باقی رہنے والی شئے نہیں۔ اور آخرت کی فکر نہیں کی تا کہ وہ سنور جاتی۔ فکرِ آخرت سے غافل زمانۂ حال کے مسلمانوں کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے ؎

نگاہ اُلجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں　　خرد کھوئی گئی ہے چار سُو میں
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبح گاہی　　اماں شاید ملے اللہ ھُو میں

اِس دور میں مسلمانوں کی حالت وہی ہے جو ایک شاعر نے بیان کی ہے ؎

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

انسان اگر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکّل کر لے تو اللہ تعالیٰ اُسے کبھی بھوکا نہیں رکھتے اور نہ ہی اُسے مایوس کرتے ہیں۔



مضامین

مولانا عبداللہ خالد مظاہری

اخلاق کا ایک شعبہ صبر و تحمل

زندگی کے سفر میں انسان ہمیشہ ایک جیسی حالت میں نہیں رہتا، کوئی دن اس کیلئے نوید مسرت (خوشخبری) لے کر آتا ہے تو کوئی پیامِ غم، کبھی خوشیوں اور شادمانیوں کی بارش برستی ہے تو کبھی مصیبتوں اور پریشانیوں کی آندھیاں چلتی ہیں۔ ان آندھیوں کی زد میں کبھی انسان کی ذات آتی ہے، کبھی کاروبار اور کبھی گھر بار۔ الغرض مصیبتوں اور پریشانیوں سے انسان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسی لئے اسلام نے مصیبتوں اور خوشیوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دی ہے۔ حدیثِ پاک میں ہے: مؤمن کا معاملہ کتنا عجیب ہے کہ اس کیلئے ہر معاملے میں خیر ہی خیر ہے اگر اسے خوشی پہنچے اور شکر کرے تو یہ اس کیلئے خیر ہے اور اگر مصیبت پہنچے اور اس پر صبر کرے تو یہ اس کیلئے بھلائی ہے۔ (مسلم شریف)

صبر کا معنی و مفہوم: عربی لغت میں صبر کا معنی برداشت سے کام لینے، خود کو کسی بات سے روکنے اور باز رکھنے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں صبر کا مفہوم یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے۔ صبر کے عمل میں ارادے کی مضبوطی اور عزم کی پختگی ضروری ہے۔ بے کسی، مجبوری اور لاچاری کی حالت میں کچھ نہ کرسکنا اور رو کر کسی تکلیف و مصیبت کو برداشت کر لینا ہرگز صبر نہیں ہے بلکہ صبر کا تانا بانا استقلال و ثابت قدمی سے قائم رہتا ہے۔ اس وصف کو قائم رکھنا ہی صبر ہے۔ مسلمان کی پوری زندگی صبر و شکر سے عبارت ہے دینِ اسلام کی ہر بات صبر و شکر کے دائرے میں آجاتی ہے۔

صبر بظاہر تین حرفی لفظ ہے مگر اپنے اندر ہمت، حوصلہ، برداشت، تحمل، بھلائی، خیر، نرمی، سکون اور اطمینان کی پوری کائنات سموئے ہوئے ہے۔ ایک ''صبر جمیل'' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی غیر متوقع حادثہ اور مصیبت میں ایسا راضی بہ رضا رہے کہ عام انسان سمجھ بھی نہ سکے کہ اس شخص کے ساتھ ایسا حادثہ فاجعہ پیش آیا ہے مصائب اور غیر متوقع حوادث پر حقیقی صبر آسان کام نہیں ہے جب تک اللہ پر اعتماد و توکل نہ ہو صبر کرنا بہت مشکل ہے اسی وجہ سے صبر کا اجر بھی بہت ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو بار دیا جائے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ برائی کو بھلائی کے ذریعے دفع کرتے ہیں اور اس عطا میں سے جو ہم نے انہیں بخشی ہے خرچ کرتے ہیں''۔ (سورۃ القصص)

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''(محبوب میری طرف سے) فرما دیجئے: اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے بھلائی ہے جو اس دنیا میں بھلائی کئے، اور اللہ کی سرزمین کشادہ ہے، بلاشبہ صبر کرنے والوں کو اُن کا اجر بے حساب انداز سے پورا کیا جائے گا''۔ (سورۃ الزمر)

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کن کی ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام علیہم السلام کی، پھر درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے مقربین کی۔ آدمی کی آزمائش اس کے دینی مقام و مرتبہ (یعنی ایمانی حالت کے مطابق ہوتی ہے، اگر وہ دین اور ایمان میں مضبوط ہو تو آزمائش سخت ہوتی ہے، اگر دین اور ایمان میں کمزور ہو تو آزمائش اس کی دینی اور ایمانی حالت کے مطابق ہلکی ہوتی ہے۔ بندے پر یہ آزمائشیں ہمیشہ آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ (مصائب پر صبر کی وجہ سے اُسے

یوں پاک کر دیا جاتا ہے) وہ زمین پر اِس طرح چلتا ہے کہ اس پر گناہ کا کوئی بوجھ باقی نہیں رہتا۔ قیامت کے روز جب مصیبت زدہ لوگوں کو (ان کے صبر کے بدلے بے حساب) اجر وثواب دیا جائے گا تو اس وقت (دنیا میں آرام وسکون (کی زندگی گذارنے) والے تمنا کریں گے: کاش! دنیا میں ان کی جلدیں قینچیوں سے کاٹ دی جاتیں (تو آج وہ بھی اِن عنایات کے حقدار ٹھہرتے)''۔ (جامع ترمذی)

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اکٹھا کرے گا تو پکارنے والا پکارے گا! صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ فرمایا: کچھ لوگ اُٹھیں گے جو تعداد میں کم ہوں گے اور وہ جلدی جلدی جنت کی طرف جائیں گے۔ راستے میں اُنہیں فرشتے ملیں گے جو اُن سے پوچھیں گے، ہم آپ لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ آپ جنت کی طرف بڑی تیزی سے بڑھ رہے ہیں، آخر آپ ہیں کون؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم اہل صبر ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے کہ آپ نے کس بات پر صبر کیا؟ وہ جواب دیں گے ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور گناہوں سے بچنے پر صبر کیا۔ اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جائیں، بے شک صبر کرنے والوں کا یہی اجر ہے''۔ (علامہ ابن القیم، عدۃ الصابرین)

زندگی میں بیشتر ایسے واقعات پیش آتے ہیں، جن میں انسان جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور غیظ وغضب سے رگیں پھڑ کنے لگتی ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ فوری طور پر انتقامی کارروائی کی جائے، جیسے بھی ہو سکے سامنے والے کو اپنی برتری اور طاقت کا ایسا کرشمہ دکھایا جائے کہ دشمن طاقتیں ہمیشہ کیلئے زیر ہو جائیں، ممکن ہے اس سے ذہنی وقلبی سکون ملے اور مختلف خطرات سے نجات بھی؛ مگر اسلام نے جذبات میں آکر کسی فیصلہ کی اجازت نہیں دی ہے، تمام ایسے مواقع پر

جہاں انسان عام طور پر بے قابو ہو جاتا ہے، شریعت نے اپنے آپ کو قابو میں رکھنے، عقل و ہوش سے کام کرنے اور واقعات سے الگ ہو کر واقعات کے بارے میں سوچنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے، جس کو قرآن کی اصطلاح میں ''صبر'' کہا جاتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری زندگی صبر و تحمل سے لبریز ہے، کسی موقع پر بھی آپ نے نفسانی جذبات کا استعمال نہیں کیا، غیظ و غضب اور وقتی معاملات سے طیش میں آ کر کوئی بھی اقدام بلاشبہ ہزار مفاسد پیدا کرتا ہے؛ اس لئے ضرورت ہے کہ تمام شعبہائے حیات میں صبر و تحمل سے کام لیا جائے، آقا اپنے ملازم کے قصور اور لغزشوں کو معاف کرے اور اگر وقتی طور پر کبھی آقا ناراض ہو جائے تو ملازم کو بھی اسے برداشت کرنا چاہئے، باپ اپنے بیٹے کے ساتھ اور بیٹا اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرے، میاں بیوی میں خلش ایک فطری بات ہے؛ مگر اسے باہمی صبر و تحمل سے دور کرتے ہوئے زندگی کو خوش گوار بنانے کی کوشش کی جائے۔ غرض پرسکون اور کامیاب زندگی کیلئے صبر و تحمل اور قوتِ برداشت بنیادی عنصر ہے۔ ہماری پستی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم وقتی طور پر جذبات کے رَو میں بہہ جاتے ہیں، جس سے دوررَس نگاہ متأثر ہو جاتی ہے اور سوچ و تدبر کا مزاج نہیں رہتا۔ موجودہ حالات میں خاص طور پر سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پہلو کو اپنانے کی سخت ضرورت ہے۔

تکبر کا مرض عام ہو گیا

فرمایا کہ آج کل تکبر کا مرض ہر شخص میں عام ہو گیا، الا ماشاء اللہ اس بلا سے بچنے کی کسی کو فکر ہی نہیں۔ اب اس مرض کے وجوہ مختلف ہیں۔ کسی میں یہ کبر حسن و جمال کی وجہ سے ہے۔ کسی کے اندر علم و فضل کی وجہ سے ہے کسی کے اندر زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ کسی کے اندر قوت و شجاعت کی وجہ سے ہے۔ غرضیکہ یہ بلا ہے قریب قریب سب ہی میں۔

(حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)



امثال وعبر ماخوذ

سیّدہ عورت کااکرام اور ہدایت

علامہ ابن قدامۃ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کتاب التوابین'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک علوی بلخ میں رہتا تھا، اور اس کی بیوی بھی علوی تھی، اور اس کی بیٹیاں بھی تھیں، جنہیں فقر لاحق ہوگیا، وہ علوی فوت ہوگیا، اس کی بیوی اپنی بیٹیوں کو لے کر دشمنوں کے خوف سے سمرقند آ گئی، ان کی ہجرت سخت سردی کے موسم میں ہوئی، جب وہ شہر میں پہنچی تو بچیوں کو مسجد میں چھوڑ کر ان کیلئے کھانا تلاش کرنے چلی گئی، وہ دو مجمعوں کے پاس سے گذری، ایک مجمع مسلمان کے پاس تھا، جو شہر کا شیخ تھا، اور ایک مجمع مجوسی کے اِرد گرد تھا جو شہر کا ناظم تھا، اس علویہ نے پہلے مسلمان کے پاس جا کر اپنا حال بیان کیا، اور کہنے لگی: میں ایک رات کی روزی چاہتی ہوں۔

اس مسلمان نے کہا: میرے پاس اپنے علویہ ہونے کی دلیل لے آ؟

اس عورت نے کہا: اس شہر میں مجھے کوئی پہچانتا نہیں۔

لہٰذا مسلمان نے اس عورت سے اعراض کرلیا تو وہ مجوسی کے پاس گئی، اور اسے اپنا حال بتایا، اور مسلمان کے ساتھ جو بات چیت ہوئی تھی وہ بھی مجوسی سے کہہ دی۔

مجوسی نے اپنے گھر والوں کو اس علویہ کے ساتھ مسجد میں بھیجا، مجوسی کے گھر والے اس عورت کے بچوں کو اپنے گھر لے آئے، اور انہیں عمدہ قسم کا لباس پہنایا، رات کو اس مسلمان نے خواب میں دیکھا گویا قیامت قائم ہوچکی ہے، اور جھنڈا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ہے، اور ایک سبز زُمرد کا محل ہے۔

اس مسلمان نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ محل کس کا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک موحد مسلمان کا ہے۔

اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! میں موحد مسلمان ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اپنے موحد مسلمان ہونے پر دلیل لے آ۔

تو یہ مسلمان حیران ہو کر رہ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسلمان سے فرمایا: تو نے علویہ سے کہا کہ میرے پاس دلیل لے آ، جس وقت وہ تیرے پاس آئی تھی، لہٰذا تو بھی میرے پاس دلیل لے آ۔

یہ مسلمان بیدار ہو کر رونے لگا، اور اپنے آپ کو طمانچے مارنے لگا، اور اس عورت کو تلاش کرنے کیلئے نکل کر شہر میں چکر لگانے لگا، تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ وہ علویہ کہاں ہے؟ اس نے مجوسی کے پاس پیغام بھیجا، مجوسی اس مسلمان شیخ کے پاس آ گیا، اس نے مجوسی سے پوچھا: علویہ کہاں ہے؟

مجوسی نے کہا: وہ میرے پاس ہے۔

مسلمان نے کہا: میں اس کو یہاں لانا چاہتا ہوں۔

مجوسی نے کہا: اس کیلئے کوئی راستہ نہیں؟

مسلمان نے کہا: مجھ سے ہزار دینار لے لو، اور ان بچیوں کو میرے سپرد کر دو۔

مجوسی نے کہا: میں ایسے بھی نہیں کروں گا۔

انہوں نے مجھ سے میزبانی طلب کی، اور مجھے ان کی برکات مل گئیں۔

مسلمان نے کہا: انہیں ضرور یہاں لانا پڑے گا۔

مجوسی نے کہا: جسے آپ تلاش کررہے ہیں، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں؟ اور جو محل آپ نے دیکھا ہے؛ وہ میرے لئے بنایا گیا ہے کہ آپ مجھے اپنے اسلام کی وجہ سے دبا رہے ہیں، اللہ کی قسم! میں اور میرے گھر والے جب تک علویہ کے ہاتھ پر مسلمان نہیں ہوئے اس وقت تک سوئے نہیں، جو خواب آپ نے دیکھا ہے وہی ہم نے دیکھا۔

مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا علویہ اور اس کی بچیاں تیرے پاس ہیں؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں!

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ محل تمہارے اور تمہارے گھر والوں کیلئے ہے، تم اور تمہارے گھر والے جنتی لوگوں میں سے ہو؛ اللہ نے تمہیں ازل سے مؤمن پیدا کیا تھا۔

نوٹ: ''بلخ'' امارتِ اسلامی افغانستان کا قدیم شہر ہے، ایران و ہند کے تجارتی قافلوں کا مرکز، اور چین و مغربی ممالک کیلئے ریشم کی تجارت کی منڈی تھی، سکندر اعظم نے اس پر حکومت کی پہلی صدی ہجری میں، اسلام یہاں پہنچ گیا تو یہ سلطنت خراسان کا دار الخلافہ رہا، اور ثقافتِ اسلامیہ کا مرکز بنا۔

۱۲۲۰ء میں چنگیز خان نے اسے برباد کیا تو اس کی مرکزیت ختم ہوگئی۔

اور ''سمرقند'' ازبکستان کا ایک شہر ہے، بہت بڑا زراعتی اور صنعتی مرکز ہے، وسط ایشیا میں اسلامی تہذیب کا گہوارہ رہا ہے۔

۱۲۲۰ء میں چنگیز خان نے ویران کیا، تیمور لنگ کا دار الخلافہ رہا ہے، اور وہی دور اس شہر کے اوجِ کمال کا تھا، اسی میں تیمور لنگ کی قبر ہے۔

☆☆☆☆☆



جوتا یا چپل چمڑے کا مسنون ہے: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو گائے کے چمڑے کے دُھرے تلے والے جوتے میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ (سیرۃ الشامی: ۷/ ۵۰۴، بحوالہ شمائل کبریٰ: ۵/ ۳۲۵)

جوتا چپل کس طرح پہنے: پہنے تو پہلے داہنے پیر میں داخل کرے، اور جب اُتارے تو بایاں جوتا پہلے اُتارے۔ (سیرۃ الشامی: ۷/ ۵۵۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جب کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پیر میں پہنے، اور جب اُتارے تو بائیں پیر سے پہلے اُتارے، تاکہ دائیں جانب والا پہننے میں پہلے ہو، اور اُتارنے میں اخیر ہو۔ (بخاری شریف: ۲/ ۸۷۰، شمائل کبریٰ: ۵/ ۳۲۴)

جوتا یا چپل اُٹھانے کا مسنون طریقہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جوتے کو بائیں ہاتھ کی انگشت سبابہ اور انگوٹھے سے اُٹھاتے تھے۔ (طبرانی، سیرۃ الشامی: ۷/ ۵۰۳)

جوتا چپل اپنے ہاتھ سے درست کرنا: اپنے ہاتھ سے درست کرنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت ہے، اس لئے سنت ہے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے نقل کیا کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے معلوم کیا کہ گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کیا مشغلہ تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے، اپنا جوتا خود درست فرمالیتے تھے۔ اور عام آدمی جو کام اپنے گھر میں کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی کر لیتے تھے۔ (ابن حبان، فتح الباری: ۱/ ۴۶۱، بحوالہ شمائل کبریٰ: ۵/ ۳۲۸، ۳۲۹)



حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری مدظلہم

واجباتِ طواف

طواف میں کل سات چیزیں واجب ہیں، جن کے ترک سے جزا لازم آتی ہے:

(۱) حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر دونوں سے پاک ہونا، (اور کپڑا اور بدن کا پاک ہونا مسنون ہے)۔

(۲) ستر کا چھپانا: لہٰذا اگر طواف میں ایک عضو مستور کا چوتھائی حصہ یا اس سے زیادہ کھلا رہ جائے تو اس پر طواف کا اعادہ یا جزا لازم ہوگی۔

(۳) حجرِ اسود سے طواف کی ابتداء کرنا: بہت سے فقہاء کے نزدیک یہ واجب ہے، جب کہ دیگر کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

(۴) دائیں طرف سے طواف کرنا: یعنی اس طرح طواف کرنا کہ خود دائیں جانب اور بیت اللہ شریف بائیں جانب ہو، اس کے خلاف کرنے پر جزا لازم ہوگی۔

(۵) پیدل طواف کرنا: جو شخص چلنے پر قادر ہو اس کیلئے واجب ہے کہ وہ پیدل طواف کرے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص طواف زیارت یا عمرہ کا طواف بلا کسی عذر کے سوار ہوکر کرے تو اس پر ضروری ہے کہ یا تو طواف لوٹائے یا دم دیدے؛ البتہ اگر کسی عذر کی وجہ سے پیدل طواف نہیں کیا ہے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔

(۶) طواف میں حطیم کو شامل کرنا: حطیم بھی دراصل بیت اللہ شریف ہی کا حصہ ہے: لہٰذا اس کی حدود سے باہر ہوکر طواف کرنا واجب ہے، اگر حطیم کے اندر سے طواف کیا تو ترکِ واجب کی وجہ سے جزا لازم ہوگی۔

(۷) طواف کے ساتوں چکر پورے کرنا: طواف کے ساتوں چکروں کو پورا کرنا واجب ہے، یعنی اگر کوئی شخص طواف کے چار یا پانچ چکر کرے تو اس کا طواف ادا ہو جائے گا؛ تاہم ساتوں چکروں کو پورا کرنا واجب ہے نہ کرنے پر جزا لازم ہوگی۔

اوراد و وظائف — حضرت مولانا اسحاق صاحب ملتانی مدظلہم

قرآنی آیات سے مجرب عمل

تنگی سے نجات حاصل کرنے کا نسخہ

رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡكَ وَارۡزُقۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰزِقِيۡنَ۔

اگر آپ رزق کی تنگی سے پریشان ہیں، یا کسی خاص چیز کے کھانے کی حاجت ہو تو مذکورہ آیت کو سات مرتبہ پڑھ کر آسمان کی طرف پھونکیں۔

دُعاء کی قبولیت کیلئے مجرب عمل

مشائخ وعلماء نے ''حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ '' پڑھنے کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبہ ایمان وانقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دُعاء مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے ہجوم افکار ومصائب کے وقت ''حَسۡبُنَا اللّٰهُ وَنِعۡمَ الۡوَكِيۡلُ '' کا پڑھنا مجرب ہے۔ (معارف القرآن، جلد:۲، صفحہ:۲۴۴)

ہر درد سے شفا حاصل کرنے کا نسخہ

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ۔

وَاِنۡ يَّمۡسَسۡكَ بِخَيۡرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ۔

اگر آپ کو ہر قسم کی تکلیف اور درد سے شفا حاصل کرنی ہو تو سات یا گیارہ مرتبہ مذکورہ آیت کو جس جگہ تکلیف ہو وہاں ہاتھ رکھ کر پڑھیں اور دم کردیں۔



طرحی غزل

آگ نفرت کی ذرا ہم سے بجھادی جائے
گفتگو میری ابھی ان سے کرادی جائے

زیور و زر کا کوئی، وقت وسعی کا کوئی
ہیں سبھی چور تو پھر کس کو سزادی جائے

خدمت خلق میں ہے دل کا سکوں اے دوست
کیوں نہ تشویش ہر ایک دل سے بُھلادی جائے

آتش غیظ میں جلنا بھی مصیبت کم ہے؟
"دین کہتا ہے کہ دشمن کو دُعاء دی جائے"

طاقت وظلم کی آندھی، یہ تماشا کب تک؟
کاش ہتھیاروں میں اب آگ لگادی جائے

دین فطرت کا ہر انسان کو سبق دے دے کر
ایک پُر امن فضا کیوں نہ بنادی جائے

سب کے چکر میں پڑے کس سے ملا کیا ذاکرؔ
کیوں نہ اب یادِ خدا ہی میں بتادی جائے

AL-MAARIF

By: JAMIYA RAHEEMIYA KHAIRUL MADARIS
(Under Supervision of Raheemi Trust)
Beside: Masjid -e- Ashraf
Deeramathi 2nd Street, Pernambut - 635810.
Vlr Dist. Tamil Nadu (India) P.O. Box No: 32
Cell: +91 9894306751, +91 9894641484.

رحیمی ٹرسٹ کے اغراض ومقاصد

۱	مسلم محلوں میں حسبِ ضرورت چھوٹی چھوٹی مسجدوں کا انتظام کرنا۔
۲	مدارس دینیہ کے ذریعہ دینی تعلیم وتربیت مع عصری تعلیم کا انتظام کرنا۔
۳	پسماندہ نواحی علاقوں سے طلبہ کو لا کر ان کیلئے طعام اور وظائف کا اہتمام کرتے ہوئے بہترین دینی تعلیم وتربیت فراہم کرنا۔
۴	مسجدوں کے احاطہ میں اسکول کے طلبہ وطالبات کیلئے مفت قرآنی دینی تعلیم کا انتظام۔
۵	علماء حقانی کے مواعظ کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کی فکر اور جدوجہد۔
۶	صحیح اسلامی عقائد اور مسائل کی بوقت ضرورت اشاعت۔
۷	غریب ونادار لڑکیوں کی شادی میں حسب استطاعت مالی امداد کرنا۔